© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

پچھلے دنوں قومی یکجہتی اور فسادات اتر پردیش پر بحث و گفتگو کے دوران میں بعض ذمہ دار حضرات کی طرف سے یہ بات بار بار کہی گئی ہو کہ عام مسلمانوں کا تو ذکر ہی کیا ہے، جو مسلمان نیشنلسٹ ہیں یا کسی زمانہ میں رہ چکے ہیں وہ بھی علیحدگی پسندی کے رجحانات رکھتے ہیں اس لئے مسلمانوں سے انٹگریشن کی کوئی توقع نہیں ہوسکتی۔ بات ردو قدح اور مناظرہ و تکرار میں کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہو اور یہ سوال ہے بہت اہم اس لئے ہم سنجیدگی سے اس پر گفت گو کرنا چاہتے ہیں۔ اور امید ہو کہ جو حضرات ہمارے مخاطب ہیں وہ بھی ان سطور کو سنجیدگی اور سکون قلب سے پڑھیں گے۔

سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ انٹگریشن سے مقصد کیا ہو؟ اگر اُس کا مقصد یہ ہے کہ اقلیت اپنا شخصی وجود اور انفرادیت کم کرکے اکثریت میں جذب ہوجائے تو قطع نظر اس سے کہ مسلمانوں کے لئے یہ ممکن ہے بھی یا نہیں، اس صورت کو نہ انٹگریشن کہا جاسکتا ہو اور نہ ہندوستان جیسے ملک میں اور وہ بھی موجودہ بین الاقوامی حالات میں۔ اس کا وقوع ممکن ہے۔ یہ اُس زمانہ میں تو ممکن تھا جب کہ ایک قوم دوسری قوم کو تلوار کے زور سے فتح کرتی اور اُس پر حکومت کرتی تھی اور آس پاس کے ملکوں کو اس کی کان و کان خبر بھی نہ ہوتی تھی، یا ہوتی تھی مگر کسی بین الاقوامی جماعت سے وابستہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ دوسرے ملکوں کے معاملات میں دخل دینا ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ اس بنا پر انٹگریشن کا مقصد بجز اس کے کچھ اور نہیں ہوسکتا کہ ہندو اور مسلمان (یہاں گفتگو انہیں دو کے متعلق ہو رہی ہے) دونوں اپنے اپنے مذہب پر قائم رہ کر اپنی جماعتی خصوصیات کو برقرار رکھیں اور پھر اُن میں سماجی تعلقات بھی بالکل برادرانہ ہوں اور ملکی و وطنی معاملات میں وہ سب ایک ہوں۔ یہ واضح رہنا چاہیئے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں جو فرق و امتیاز ہے وہ صرف مذہب کا ہے۔ اس کے علاوہ اُن میں فرق نہ زبان کا ہے، نہ علاقہ کا، نہ صورت اور شکل کا، نہ لباس اور وضع کا، یہاں تک کہ ایک زمانہ میں ڈاڑھی مسلمان ہونے کی علامت سمجھی جاتی تھی، مگر اب یہ بھی ختم ہوئی۔ کتنے مسلمان ہیں جو ڈاڑھی نہیں رکھتے اور کتنے ہندو ہیں جو ڈاڑھی رکھتے ہیں۔ پس جب دونوں کے درمیان فرق صرف مذہب کا ہو تو اب دیکھنا یہ ہے کہ اسلام کی کوئی ایک تعلیم بھی ایسی ہے جو انٹگریشن کی راہ میں رکاوٹ ہو۔؟ یا اس کے برخلاف اسلام کی تعلیمات ایسی ہیں جو اس راہ میں موثر طریقہ پر مدد و معاون ہوتی ہیں۔

انٹگریشن کے لئے بنیادی طور پر جن باتوں کی ضرورت ہو وہ یہ ہیں (۱) وطن کے ساتھ محبت اور تعلقِ خاطر۔ (۲) اہلِ وطن کے ساتھ ہمدردی و غمگساری اور اُن کے دُکھ درد میں شرکت (۳) سماجی زندگی میں اُن سے چھوت چھات یا اجتناب کا معاملہ نہ کرنا (۴) ہر معاملہ میں عدل کرنا۔ ان امور کے متعلق جہاں تک اسلام کی تعلیمات کا تعلق ہو وہ اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قدر صاف واضح اور روشن ہیں کہ اُن کے کسی جز کے بارہ میں بھی دو رائیں نہیں ہو سکتیں۔ وطن کی محبت ہر انسان کا طبعی جذبہ ہے۔ اسلام اس جذبہ کو دباتا نہیں بلکہ اس کی تحسین کرتا ہے۔ قرآن میں وطن سے نکالے جانے کو ایک سخت انسانی ابتلا و مصیبت بتایا گیا ہے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ہجرت کی تو آپ کو ترکِ وطن کا صدمہ ہوا اور آپ نے اس کا اظہار بھی فرمایا پھر اسلام صرف وطن کے ساتھ محبت کے طبعی جذبہ کو تسلیم ہی نہیں کرتا بلکہ اُس کے حقوق بھی متعین کرتا ہے اور وطن کا سب سے بڑا حق یہ ہے کہ اگر کوئی دشمن اُس پر حملہ آور ہو تو اس کا دفاع کیا جائے۔ اس سلسلہ میں اس سے زیادہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہونچکر یہودیوں سے معاہدہ کیا تو عہد نامہ کی ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ "مدینہ پر کوئی حملہ ہوگا تو دونوں فریق شریک یکدگر ہوں گے اور اگر کسی دشمن سے ایک فریق صلح کرے گا تو اُس میں دوسرا بھی شریک ہوگا۔ یہ شرکت کس مضبوط بنیاد پر قائم تھی اُس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس معاہدہ میں سرورِ عالمؐ نے یہودیوں کو خطاب کر کے صاف لفظوں میں فرمایا تھا کہ۔ اب تمہارے خون (جان) ہمارے خون جیسے اور تمہارے اموال ہمارے اموال جیسے ہیں۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ حضورؐ کا یہ معاہدہ کفارِ مکہ کے مقابلہ میں یہودیوں کے ساتھ تھا جو اہلِ کتاب تھے کیونکہ دنیا کے تمام لوگ جو کسی مذہب کو مانتے ہیں اور اُس کے ساتھ کسی آسمانی کتاب پر بھی جو قرآن سے پہلے نازل ہوئی ہو ایمان رکھتے ہیں وہ سب اہلِ کتاب ہیں اور معاہدہ کی پابندی کا حکم اس درجہ ہے کہ اگر کسی ملک کے مسلمانوں اور غیر مسلموں میں معاہدہ ہو اور اس ملک پر کوئی مسلمان قوم حملہ کرے تو مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ شریک عہد غیر مسلموں کے مقابلہ میں اپنے ہم مذہبوں کی امداد کریں۔ چنانچہ قرآن میں صاف طور پر ارشاد ہے۔ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ فَعَلَیْکُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰی قَوْمٍۢ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ہ اور اگر مسلمان تم سے دین کے معاملہ میں مدد کے خواہاں ہوں تو تم اُن کی مدد ضرور کرو۔ مگر ہاں تم اُن کی مدد اُس قوم کے خلاف نہیں کر سکتے جن میں اور تم میں عہد و پیمان ہے اور اللہ تعالےٰ جو کچھ تم کرتے ہو اسے خوب دیکھنے والا ہے ــــــ تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے صلح حدیبیہ کے موقع پر یہی ہوا جو بعض مسلمان موقع پاکر مکہ سے نکل بھاگے اور حضورؐ سے پناہ کے طالب ہوئے تھے آپ نے معاہدہ کی شرط کے مطابق اُن کو پناہ دینے سے انکار فرمادیا اور مکہ واپس لوٹا دیا، حالانکہ ابھی معاہدہ لکھا ہی جارہا تھا اور اس کی تکمیل نہیں ہوئی تھی۔

اب رہی دوسری چیزیں یعنی اہلِ وطن کے ساتھ ہمدردی اور اُن کے دُکھ درد میں شرکت! تو اس کی نسبت کیا لکھا جائے۔ پورے قرآن اور ذخیرۂ احادیث کو پڑھ جائیے جہاں جہاں مسلمانوں کو فضائل اخلاق اور اعلیٰ اطوار و عادات کے اختیار کرنے کی تعلیم و تاکید ہے وہاں کسی ایک مقام پر بھی مسلم اور غیر مسلم کی تفریق نہیں کی گئی ہے اور تفریق ہو بھی کس طرح سکتی تھی جب کہ اسلام تمام انسانوں کو مذہب اور رنگ و نسل کے اختلاف کے باوجود ایک ہی آدم و حوا کی اولاد اور اس بنا پر آپس میں ایک دوسرے کا بھائی تسلیم کرتا ہے اور کسی انسان سے بھی کسی حالت میں چھوت چھات کو جائز نہیں سمجھتا۔ حد یہ ہے کہ حضورؐ کے پاس غیر مسلم ہر طبقہ اور ہر جماعت کے آتے تھے تو آپ انھیں مسجد میں ہی ٹھہراتے تھے۔ بعض اُن میں بدتمیزی بھی کرتے تو آپ انھیں معاف فرما دیتے تھے۔ دوسرے مذاہب کے لوگوں کے ساتھ رواداری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

برتنے کا یہاں تک حکم ہے کہ بتوں کو بھی سبّ و شتم کرنے کی ممانعت کی گئی ہے اور اکرموا کبیر کل قوم فرما کر ہر مذہب اور ہر فرقہ کے معزز لوگوں کی تکریم کرنے کا امر فرمایا گیا۔ انسانی مساوات کی تاکید اور تلقین اس سے زیادہ کیا ہو سکتی ہے کہ حضورؐ آخر شب میں بیدار ہو کر آسمان کی جانب ہاتھ اٹھا کر فرماتے تھے " اے خدا میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سب بندے آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ پھر اس عام انسانی مساوات کے علاوہ جو جتنا زیادہ قریب ہے اُس کا اتنا ہی حق بھی زیادہ ہے چنانچہ پڑوسیوں کے حقوق خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم حضور نے اس تاکید اور وسعت کے ساتھ بیان فرمائے ہیں کہ بعض اوقات صحابہ کو یہ گمان ہونے لگتا تھا کہ آپ پڑوسی کو دوسرے وارثوں کے ساتھ ترکہ میں بھی شریک قرار دے دیں گے۔

اب عدل کو لیجئے! اسلام کے فلسفۂ اخلاق کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ اسلامی اخلاق کی بنیاد ہی تین چیزوں پر قائم ہے۔ ایک عدل اور دوسری محبت اور تیسری عظمت انسانی۔ خاص عدل کی تاکید اس سے زیادہ کیا ہوگی کہ قرآن میں ایک جگہ فرمایا گیا ہے کہ " مسلمانو! خبردار تم سے اگر کوئی قوم بغض و عناد بھی رکھتی ہے تو دیکھو اُن کا یہ بغض تم کو کہیں اس پر آمادہ نہ کر دے کہ تم اُن کے ساتھ انصاف نہ کرو۔ نہیں تم اُن کے ساتھ پھر بھی انصاف ہی کرو " اسلام کی انہیں تعلیمات کا اثر تھا کہ خلیفۂ اموی حضرت عمر بن عبدالعزیز سے دمشق کے بعض عیسائیوں نے شکایت کی کہ مسلمانوں نے بعض گرجاؤں کی زمین پر مسجدیں بنا لی ہیں تو آپ نے فوراً حکم دیا کہ ان مسجدوں کو گرا دیا جائے۔ عیسائیوں نے خلیفۂ اسلام کا یہ عدل دیکھا تو خود انھوں نے یہ تجویز کی کہ اچھا! اب مسجدیں بن ہی گئی ہیں تو انھیں قائم رہنے دیجئے اور ان کے بدلہ میں ہمیں دوسری زمینیں دیدیجئے۔ تاکہ ہم اُن پر گرجا تعمیر کر لیں۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ گرجے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے خود تعمیر کرا کے اُن کے حوالے کئے تھے۔ (تاریخ ابن عساکر)

غرض کہ مسلمان جس قدر اپنے مذہب سے قریب ہوگا اسی قدر وہ شرافت و انسانیت کا پیکر ہوگا۔ اُس کی خاک غبار سے پاک ہوگی ہر انسان کو خواہ اس کا تعلق کسی مذہب سے ہو وہ اپنا بھائی سمجھے گا۔ وطن سے محبت کریگا، اہل وطن کی خدمت اور ان کی خیر خواہی کو اپنا فرض جانے گا۔ تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں کے یہی اوصاف تھے جن کے باعث وہ جہاں اور جس ملک میں پہونچے وہاں کے باشندوں کے دل میں محبوب و معزز ہو کر رہے۔ خود ہندوستان میں اب سے پچاس برس پہلے کا زمانہ یاد کیجئے ہندو اور مسلمانوں میں باہم کس قدر خوشگوار سماجی تعلقات تھے۔ کتنا اخلاص اور پریم تھا۔ ایک کے دکھ درد کو دوسرا اپنا دکھ درد جانتا تھا۔ حیدرآباد، بڑودہ، گوالیار، جے پور اور بھوپال کی ریاستوں میں دیکھا جاتا تھا کہ والی ریاست مسلمان ہے تو وزیر اعظم ہندو۔ اور وہ ہندو ہے تو یہ مسلمان۔ گویا شہری زندگی میں ہندو مسلمان کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔ اب اگر یہ حالات نہیں ہیں تو غور کرنا چاہیئے کیوں نہیں ہیں؟ اور سنجیدگی سے اُن اسباب کا پتہ چلا کر انہیں دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے جو قومی یکجہتی کے راستہ کا روڑا بنے ہوئے ہیں۔ ہماری حکومت کے پاس ہر قسم کے وسائل و ذرائع ہیں۔ اُس کے لئے کوئی مشکل نہیں ہے کہ وہ پھر اُن قدیم حالات کو واپس لا سکے۔ الزام دینے سے کبھی کوئی مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ ضرورت وسعتِ قلب و نظر اور عزم محکم و عمل پیہم کی ہے بہر حال جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے اوپر کی سطروں سے یہ بات بالکل صاف واضح اور روشن ہے کہ ان کو یا ان کے ایسے اداروں کو جو مذہبی اور ثقافتی کام کر رہے ہیں یہ الزام دینا غلط ہے کہ یہ جماعتیں علیحدگی پسندی کے رجحانات رکھتی ہیں اور اس لئے اُن سے قومی یکجہتی کی مہم میں شرکت کی توقع نہیں ہو سکتی۔ غالب نے شاید اسی موقع کے لئے کہا تھا۔

غلط ہے جذبِ دل کا شکوہ دیکھو جُرم کس کا ہے ۔۔۔ نہ کھینچو گر تم اپنے کو کشاکش درمیاں کیوں ہو؟

© rasailojaraid.com